حکیم الامّت کا نظریۂ اخلاق

شاہ ولی اللہ بہت سی پُرعظمت کتابوں کے مصنف ہیں جو مختلف علوم و فنون کا نادر ذخیرہ ہیں مگر ان کی تصنیفی زندگی کا شاہکار "حجۃ اللہ البالغہ" ہے۔ یہ کتاب علوم عقلیہ کا بیش بہا گوہر اور انمول موتی ہے "علم اسرار" اور "حکمتِ ربانی" کے پیش نظر شاہ صاحب نے اس میں وہ سب کچھ سپرد قلم کر دیا ہے جو انسانی سعادت کے انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں اور دنیوی و اخروی دونوں زندگیوں سے متعلق ہے۔

اس کتاب کا ایک حصہ "علم الاخلاق" سے متعلق ہے۔ جس میں اخلاق کے علمی نظریوں اور عملی درست کاریوں کو بہترین طرز نگارش کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔

دوسری کتابوں میں جب آپ "علم الاخلاق" کے ان مباحث کا مطالعہ کریں گے۔ جن میں "علم الاخلاق کے دوسرے علوم سے تعلق" پر بحث کی گئی ہے تو تمام علماء اخلاق اور حکماء و فلاسفر کو اس پر متفق پائیں گے کہ وہ اس سلسلہ میں علم مابعد الطبیعۃ (میٹافزیکس) فلسفۂ طبیعی (فزکس) علم الارتقاء (ایولیوشن) علم النفس (سائیکالوجی) علم المنطق (لاجک) جمالیات (ایستھٹک) فلسفۂ قانون (فلاسفی آف لا) علم الاجتماع (سوشیالوجی) اور فلسفۂ تاریخ (فلاسفی آف ہسٹری) کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن کسی ایک جگہ بھی یہ اشارہ نہیں کرتے کہ علم الاخلاق کا کوئی تعلق اجتماعی علم المعیشت سے بھی ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس طرح کا ہے؟

ارسطو کی کتاب الاخلاق، فلسفۂ اخلاق میں ابن مسکویہ کی کتاب السعادۃ اور تہذیب الاخلاق، ماوردی کی ادب الدین والدنیا، غزالی کی احیاء العلوم، راغب کی الذریعہ، ابن قیم کی مدارج السالکین اور اسی قسم کی دوسری اخلاقی کتابوں میں کسی جگہ اس کا ذکر نہیں ملتا۔ مشہور حکماء، فلاسفر اور علماء اخلاق کے تمام مباحث اخلاق کو غور و توض سے مطالعہ کرنے کے باوجود اس سلسلہ میں ناکامی کے سوا اور ہاتھ میں کچھ نہیں آتا چنانچہ قدیم علماء و حکماء

مثلاً ارسطو، افلاطون، سقراط، منکہ ہندی، رواقی، ابیقوریئین، کندی، فارابی، ابن سینا، غزالی، ابن باجہ، ابن طفیل، ابن رشد، ابن خلدون ابن ہیثم، ابن عربی، ابن مسکویہ اور اخوان الصفا کے بیان کردہ "اخلاقی نظریئے" جس طرح اس مسئلہ میں تہی دامن ہیں اسی طرح جدید علماء اخلاق مثلاً کانٹ، اسپنسر، شوپنہار، ڈیکارٹ، فرنسادی، بنتھم اور جون اسٹورٹ مل، سپنوزا، جرمن ہیگل کے حکمت وفلسفہ کے تمام اخلاقی نظریئے اس سوال کے جواب میں درماندہ وبیچارہ نظر آتے ہیں۔

حالانکہ جرمن فلاسفر آگسٹ کنٹ اور کاؤنٹ اور انگریز فلاسفر ہربرٹ اسپنسر تو ان مشاہیر فلاسفروں میں سے ہیں جنھوں نے "علم الاخلاق" کے ساتھ علم الاجتماع اور علم الارتقاء کو منطبق کرنے کے لیے بہت سے جدید اور وسیع نظریوں سے کام لیا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی ایک کی بھی پرواز خیال اس رفعت وبلندی تک نہ پہنچ سکی جو ولی اللہ دہلوی کے حصہ میں آئی

متاخرین علمائے اخلاق عارف رومی، سعدی اور شیخ سرہندی نے اخلاقیات میں بہت کچھ کہا اور خوب کہا مگر دنیا کے اجتماعی اخلاق کی برتری یا بربادی پر جو چیز سب سے زیادہ اثر انداز ہے اور رہوتی رہی ہے یعنی "اقتصادیات" اس کا نشان یہاں بھی ملتا ہے۔

غرض "ولی اللہ دہلوی" کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ" وہ پہلی کتاب ہے جس نے ہم اس بیش قیمت علمی نظریہ سے روشناس کرایا کہ "اجتماعی علم الاخلاق کی فلاح وسعادت، اجتماعی معاشیات کے عادلانہ نظام پر موقوف ہے" اور یہ کہ دنیا کی قوموں کا اجتماعی اخلاق اس وقت صحیح اور بہتر نہیں ہوسکتا جب تک ان کے درمیان ایک ایسا اجتماعی نظام قائم نہ ہوجائے جو افراد وتفریط سے پاک عادلانہ اصول رکھتا ہو۔

امام الحکمۃ "ولی اللہ" کے علاوہ تمام علماء اخلاق "جدید ہوں کہ قدیم" یہ سمجھتے رہے ہیں کہ قوموں کے اجتماعی اخلاق "حسین" بنانے کے لیے عمدہ اخلاقی نظریوں کے غازہ کی ضرورت ہے اس لیے انھوں نے جدید علم الاخلاق کو علم الاجتماع پر منطبق کرنے کی زبردست کوشش کی ہے مگر ان تمام علماء سے جدا ولی اللہ دہلوی نے یہ دعوٰی کیا ہے کہ "اجتماعی اخلاق" کا حسن اس وقت تک نہیں نکھر سکتا جب کہ اقوام کے اجتماعی جسم کو فاسد معاشی نظام کے جذام سے صحت نہ ہوجائے تو پھر اجتماعی اخلاقیات کا تازہ خون خود بخود جسم اقوام میں دوڑنے لگے گا اور اس کے حسن وزیبائش کے لیے کسی خارجی پوڈر اور غازہ کی ضرورت نہیں نہیں رہے گی۔